۲۲ اگست ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۳۲

اس شمارے میں

۱. اداریہ ۱
۲. جائزہ فخر گوش
اردو سے متعلق
گزارشات
اکبر علی خاں ۳
۳. آئینے ڈرودد
زاہدہ زیدی ۴
۴. غالبیات
شانتی رنجن بھٹاچاریہ ۴
۵. غزل
حرمت الاکرام ۷
۶. اخبار و اذکار ۹
۷. تبصرہ
ڈاکٹر شمیم حنفی ۱۲

اداریہ

ایک اعلان۔ ایک درخواست

یکم ستمبر سے ہم ہماری زبان میں ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ اس کا نام ہوگا "میرا صفحہ" اور ہماری زبان کا بارھواں یا آخری صفحہ اس کے لئے وقف رہے گا۔ یہ صفحہ صرف ایک شخص نہیں لکھے گا، بلکہ علی گڑھ کے کئی ادیب باری باری سے اس میں جلوہ گر ہوں گے۔ اس صفحے میں لکھنے والے کو پوری آزادی ہوگی کہ وہ کسی ادبی مسئلے پر اظہار خیال کرے یا کسی خاص کتاب کے متعلق اپنے تاثرات پیش کرے یا کسی مصنف کی اہمیت واضح کرے یا کسی ادبی اجتماع یا ادبی کانفرنس کے متعلق لکھے۔ وہ زبان کے کسی پہلو کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ چاہے تو اپنی زندگی کے کسی ایسے واقعے یا تجربے پر روشنی ڈال سکتا ہے جو اس کے نزدیک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ ایک صفحے کا ہوگا اس لئے اس میں اختصار کے ساتھ بات کہی جائے گی۔ یکم ستمبر کا میرا صفحہ ایڈیٹر کے قلم سے ہوگا۔ اس کے بعد ڈاکٹر مسعود حسین خاں، پروفیسر اسلوب احمد انصاری، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی اور ڈاکٹر وحید اختر، یہ صفحہ لکھیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ سلسلہ پسند کیا جائے گا۔ سہولت کے لئے فی الحال علی گڑھ کے حضرات کو ہی لکھنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اگر یہ کامیاب ہوا تو بعد میں علی گڑھ سے باہر کے کچھ اور ادیبوں سے بھی درخواست کی جائے گی۔

ہماری زبان میں تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے بھیجے جاتے ہیں۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ مصنف یا ناشر ایک نسخہ ایڈیٹر کے نام بھیجتا ہے اور دوسرا ہماری زبان میں تبصرے کے لئے۔ اس صورت میں ایڈیٹر پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ ہر کتاب پر خود تبصرہ کرے کیونکہ دوسرا نسخہ انجمن کے کتب خانے میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایڈیٹر جب بھی تو ہر کتاب پر تبصرہ کرنے کے لئے وقت نہیں نکال سکتا۔ اس لئے ہماری زبان میں تبصرے، علی گڑھ کے مختلف حضرات کرتے ہیں جن سے ایڈیٹر درخواست کرتا ہے۔ ایڈیٹر کے ہر اظہار خیال کے لئے جو کتاب ذاتی طور پر بھیجی جاتی ہے اس پر رائے کا اظہار ایڈیٹر کا اخلاقی فرض ہے مگر یہ رائے خط کے ذریعہ سے بھی ظاہر کی جا سکتی ہے اور مختصر بھی ہو سکتی ہے اور مفصل بھی۔ اس لئے ہماری درخواست ہے کہ ہماری زبان میں تبصرے کے لئے جو کتابیں بھیجی جائیں وہ کسی شخص کے نام نہ بھیجی جائیں بلکہ صرف ایڈیٹر ہماری زبان کے نام بھیجی جائیں۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ تبصرہ نگار کا انتخاب ہم پر چھوڑ دیا جائے۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر کتاب پر تبصرہ اس شخص کے قلم سے ہو جو اس موضوع پر اظہار خیال کا حق رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی خاص شخص سے رجوع کی فرمائش ہمارے نزدیک مناسب

مناسب نہیں ہے۔ دو نسخوں کی شرط کچھ مصنف یا ناشر بہت کٹ کھتے ہیں لیکن ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ تبصرہ نگار کو جب ہم ریویو کا کوئی معاوضہ نہیں دے سکتے تو کم سے کم جس کتاب پر اس سے ریویو کرا رہے ہیں وہ اس کی نذر ہو۔ اس کے علاوہ انجمن کے کتب خانے میں بھی کتاب رہے۔ دو نسخوں کی شرط اب عام طور پر تمام ادارے کرتے ہیں اس لئے ہم بھی اس پر اصرار کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ بعض اوقات لوگ کسی دوسرے شخص کا ریویو ہماری زبان میں شایع کرنے کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ زیادتی ہے۔ اگر وہ ہماری زبان کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اس میں تبصرے کے لئے کتاب بھیجیں تو اس کے ایڈیٹر کو یہ اختیار بھی ہونا چاہئے کہ وہ جس سے چاہے ریویو کرائے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے یہ معروضات کسی کے لئے بار خاطر نہ ہوں گے۔

غلام احمد فرقت کاکوروی کے دو تازہ مجموعے

ابھی حال میں جناب غلام احمد صاحب فرقت کاکوروی کے دو مجموعے شائع ہوئے ہیں پہلا مجموعہ "غالب خستہ کے بغیر" کے عنوان سے ہے جسے مکتبہ شاہراہ اردو بازار دلی نے شائع کیا ہے۔

دوسرا مجموعہ "قدیمے" کے عنوان سے تین سو صفحات پر ہے جس میں جدیدیوں کی شاعری پر ڈھائی سو پیروڈیز ہیں۔ یہ مجموعہ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ امین آباد پارک نے شائع کیا ہے۔

• نامہ نگار

تلامذۂ سیماب اکبر آبادی مرحوم سے درخواست

میں پونہ یونی ورسٹی سے "دبستان سیماب" پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہوں۔ یہ مقالہ مجھے اس سال کے آخر میں پیش کرنا ہے ان تمام تلامذۂ سیماب سے جو بقید حیات ہیں، پرزور درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے اہم حالات زندگی، منتخبہ کلام اور تازہ تصویر بھیجدیں۔

• افتخار احمد فخر
شعبۂ اردو۔ ایم جے کالج جلگاؤں

نذیریہ لائبریری دہلی کی حالت زار

پتہ چلا ہے کہ دلی میں نذیریہ لائبریری کی حالت بہت خراب ہے اور اس کی بیش بہا اور قیمتی کتابوں اور مخطوطات کے ذخیرے کے برباد ہو جانے کا خطرہ ہے۔

یہ لائبریری ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کی نایاب کتابوں پر مشتمل کھو جلہ پہاڑی کے ایک گمنام گوشہ میں واقع ہے اس لائبریری میں عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کی پرانی بیش بہا ۰۰۰ کتابیں اور ۴۰۰ نادر مخطوطات کا ذخیرہ ہے۔

یہ کتابیں تقریباً بیس شکستہ اور کرم خوردہ الماریوں میں ایک چھوٹے اور گندے کمرے میں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی ہیں جن کے تالے اور آئینے ٹوٹے ہوئے ہیں، بہت سی کتابوں کا فرش پر ڈھیر لگا ہوا ہے، بعض بعض پرانے مخطوطے ہزاروں کی قیمت کے ہیں۔

باایں ہمہ گرد و غبار، کرم اور کس مپرسی سے اس لائبریری کو اتنا خطرہ نہیں، جتنا کہ ان کے نگراں اور منتظمین سے ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ بہت سی بیش بہا اور قیمتی کتابوں اور مخطوطوں کو یہ لوگ برائے نام قیمت پر ملکی اور غیر ملکی تاجروں کے ہاتھ بیچ رہے ہیں اور یہ قیمتی سرمایہ روز بروز گھٹتا جا رہا ہے۔ لائبریری کی عمارت وقف بورڈ کی ملکیت ہے اور دہلی انتظامیہ اور مرکزی سرکار سے لائبریری کو پانچ ہزار روپیہ سالانہ کی امداد بھی ملتی ہے، مگر اس امداد کا بھی کوئی حساب کتاب نہیں اور زیادہ تر روپیہ منتظمین کی جیبوں میں جاتا ہے۔ لائبریری کی دیکھ ریکھ پر کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا ہے کہ پہاڑی بھوجلہ کے اہل علم باشندوں کو اس لائبریری کی بربادی کا احساس ہوا ہے اور وہ اس لائبریری کی حفاظت کے لئے گورنمنٹ سے رجوع ہونے پر تیار ہیں۔

انڈین ایکسپریس

لکھیم پور گورنمنٹ کالج میں اردو ٹیچر کی کمی

لکھیم پور گورنمنٹ کالج لکھیم پور میں عرصہ تین سال سے کوئی اردو کا مدرس نہیں ہے اور جو طالب علم اردو لینا چاہتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔

گورنمنٹ کو اردو ٹیچر کا فوری انتظام کرنا چاہئے تاکہ اردو پڑھنے والے طلبہ کی پریشانی دور ہو۔

• نامہ نگار

اکبر علی خاں عرشی زادہ

جائزہ نسخۂ عرشی زادہ سے متعلق

گزارشات

دیوان غالب بخط غالب نسخۂ عرشی زادہ کے بارے میں جناب انصار اللہ نظر کا جائزہ گزشتہ ہماری زبان میں شریک اشاعت ہوا ہے۔ موصوف نے اسی جائزے میں نقاد اکبرآبادی صاحب کے ایک مراسلے کے پیش نظر اس شک کا اظہار کیا ہے کہ زیر بحث نسخہ بخط غالب ہے۔ میں اسی مسئلے پر تفصیل سے مقدمۂ کتاب میں گفتگو کر چکا ہوں اس میں میں نے خود یہ عرض کیا ہے کہ دیوان کے متن اور اس کی اصلاحوں کے خط میں خفیف سا فرق ہے۔ لیکن یہ فرق جیسا کہ عام طور پر تجربہ ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر شخص کے انداز کتابت میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ کوئی بھی شخص اپنی پانچ سات برس پہلے کی تحریر اٹھا کر دیکھے تو اسے یہ فرق محسوس ہوگا۔ یہ فرق جیسے میں جو قلم سنبھال کر لکھا گیا ہو اور بے احتیاطی سے لکھی ہوئی تحریر میں بھی اس کے باوجود ہوتا ہے کہ دونوں تحریریں ایک ہی شخص کے قلم کی ہوتی ہیں۔ مگر ایک کی کتابت کے وقت اہتمام کیا جاتا ہے اور دوسری کی کتابت میں کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ کیفیات بدل جانے سے انداز میں فرق پیدا ہو جانے کے باوجود ان دونوں تحریروں میں ایسی مشترک خصوصیات ہوتی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ دونوں کا کاتب ایک ہی ہے۔

ایک اور امر بھی قابل لحاظ ہے اور یہ تجربہ میرے ساتھ مخصوص نہیں عام تجربہ ہے۔ بعض عزیزوں دوستوں استادوں کی تحریریں اتنی آشنا ہوتی ہیں کہ انھیں ہزار تحریروں میں خلط ملط کر دیا جائے پھر بھی پہچانا جا سکتا ہے۔ مثلاً جناب قاضی عبدالودود، جناب مالک رام اور پروفیسر آل احمد سرور کے خط کو مجھ سے ہزار تحریروں کے درمیان بھی پہچاننے میں کبھی غلطی نہ ہوگی اور میں ہرگز دھوکا نہیں کھاؤں گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ میں نے ان حضرات کی بے شمار تحریریں دیکھی ہیں۔ غالب کے ساتھ بھی میرا یہی معاملہ ہے جس کی طرف میں نے اپنے ایک مراسلے میں اشارہ کیا تھا اور جسے جائزہ نگار نے نقل بھی فرمایا ہے۔

مثلاً جائزہ نگار نے ترقیمۂ دیوان میں عفی اللہ عنہ کو غفر اللہ عنہ پڑھ لیا اور اس کے باوجود پڑھ لیا کہ غین کا نقطہ موجود نہیں وجہ یہ تھی کہ انھوں نے دیوان میں موجود سیکڑوں ایسی مثالوں پر توجہ نہیں فرمائی جن میں "ی" کا دائرہ نہیں بنایا گیا اور نیچے کی جانب خط شکست کے عام انداز کے مطابق کھینچ دیا گیا ہے۔

مقدمۂ نسخۂ عرشی زادہ سے جائزہ نگار نے میرا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں میں نے یہ بتایا تھا کہ دیوان کے ہر صفحے پر دیوان غالب بخط غالب نسخۂ عرشی زادہ اور سرورق پر اکبر علی خاں عرشی زادہ بھی میرا اضافہ ہے اور یہ عبارت غالب کی مختلف اصل تحریروں سے اقتباس و عکس کر کے مرتب کی گئی ہے اور اس طرح غالب کے انداز خط کی آئینہ دار ہے، جائزہ نگار اس معاملے میں فرماتے ہیں:

"ظاہر ہے اب ان تحریروں میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو غالب کی تحریر میں ہیں لیکن یہ عبارت فی الواقع غالب کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔"

جائزہ نگار کے مندرجہ بالا جملوں سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ یہ الفاظ بخط غالب نہیں ہیں حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ ان کا ایک ایک حرف بخط غالب ہے۔ صرف ترتیب میری ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا مختلف مقامات سے عکس کرا کے مرتب کیے گئے ہیں۔ جائزہ نگار اور دیگر حضرات کے لیے جنھیں کسی قسم کا شک ہو ان الفاظ کے لیے میں اپنے ماخذ کی نشاندہی مناسب جانتا ہوں۔

دیوان	کا ماخذ	نسخۂ زیر بحث
غالب	"	"
بخط	"	مکتوب غالب بنام نواب یوسف علی خاں ناظم والی رام پور
غالب	"	نسخۂ زیر بحث
نسخہ	"	مکتوب غالب بنام ارسطو جاہ
عرشی	"	عکس مکتوب غالب مشمولہ خطوط غالب مرتبۂ مہیش پرشاد
زادہ	"	عکس مکتوب غالب مشمولہ بنام یوسف علی خاں عزیز
اکبر علی خاں	"	مکتوب غالب بنام نواب کلب علی خاں جانشین ناظم والی رام پور

جائزہ نگار کے وہ ارشادات جو اس تحریر سے متعلق تھے اور ان سے جو نتائج نکلتے تھے اس کیفیت کے عرض کر دینے کے بعد از خود باطل ہو جاتے ہیں۔

۱۲۳۵ھ کی یادداشت کے بارے میں انصار اللہ صاحب نے جو تمہید باندھی ہے وہ بھی زیب داستان کی حیثیت رکھتی ہے۔ غالب کے دیوان پر جو ظاہر ہے ان کا ذاتی نسخہ تھا تاریخ کتابت سے اتنے قریب زمانے میں لکھی ہوئی یادداشت کسی دوسرے شخص کی ہو بعید از قیاس ہے اس یادداشت کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعے کے پانچ دس برس بعد نوشتہ کی گئی ہو۔ اس لیے کہ اس یادداشت کا مفہوم یہ ہے کہ پہلی صفر ۱۲۳۵ ہجری کو ڈھائی روپے ماہوار پر ... خاں نامی کسی شخص کو ملازم رکھا گیا تھا ...

اس یادداشت کا تعلق ماضی بعید سے نہیں ہو سکتا۔ اس کی قریبی ایک صورت ہے کہ مذکورہ تاریخ کو ملازم رکھا اور تاریخ نوٹ کر لی تاکہ مہینے کے خاتمے پر تنخواہ کی ادائیگی کے وقت حساب میں غلطی اور کمی بیشی نہ ہو جائے پانچ دس برس قبل کا اگر یہ واقعہ ہوتا تو اس اندراج کی ضرورت ہی کیا تھی۔

یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اس یادداشت کے انداز خط میں کوئی بھی ایسی علامت نہیں جس کی وجہ سے بخط غالب ماننے میں ذرا بھی تامل ہو۔

میرا گمان ہے کہ جائزہ نگار نے حاشیوں کے اندراجات سے متعلق میری بحث کو بغور ملاحظہ نہیں فرمایا میں نے اس میں لکھا تھا کہ مکمل غزلیں بخط غالب نہیں اور ان کی تعداد ۴ ہے بقیہ تمام حذف واضافہ بخط غالب ہے۔ مذکورہ یادداشت کے بارے میں میں نے لکھا تھا کہ یہ زیر نظر دیوان سے آئندہ مبیضہ تیار کرتے وقت لکھی گئی ہے۔ یعنی اول صفر ۱۲۳۵ کو غالب زیر بحث نسخے کے صفحہ ۸۰ سے مبیضہ تیار کر رہے تھے جس پر مذکورہ یادداشت درج ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اول صفر ۱۲۳۵ تک تمام اصلاحیں جگہ پا چکی تھیں۔

حاشیے کی مکمل غزلوں کے بارے میں میں نے ایک امکان کا ذکر کیا تھا کوئی حتمی بیان نہ دیا تھا نہ دیا جا سکتا ہے اس امکان کی وجہ بھی عرض کر دی تھی اور وہ یہ کہ نسخۂ بھوپال کے حاشیے اور زیر بحث نسخے کے حاشیے دونوں میں بے حد مماثلت ہے اور میری رائے میں ان دونوں کا کاتب ایک ہی ہے۔ زیر بحث نسخہ ۱۲۳۱ کا اور نسخۂ بھوپال ۱۲۳۷ کا ہے اس فصل کے باوجود اگر کاتب ایک ہے تو اسے غالب سے قریب کا تعلق بھی ہونا چاہئے اور زیادہ قرین قیاس یہ ہوگا کہ وہ مرزا یوسف ہوں۔ لیکن مجھے اس قیاس پر اصرار نہیں اس لئے کہ میرا بیان الہام نہیں ہے مگر میرے استدلال کو عجیب قرار دینا بذات خود عجیب بات ہے۔

جائزہ نگار نے بغیر یہ زحمت فرمائے ہوئے کہ حواشی کے کلام سے متعلق تعیین زمانہ کی بحث مقدمہ میں ملاحظہ فرمائے لکھا ہے کہ:

زاہدہ زیدی

آئینے توڑ دو

آئینے توڑ دو
ضبط و تمکین کے
نظم کردار کے
کاوشِ شوق کے
جہد افکار کے
جرأتِ ربط انکار کے
آئینے توڑ دو
بزم تخلیق کے
لفظ و معنی کے
سرگرمیٔ ذوقِ اظہار کے
اور پھر
لمحہ حال کے ایک شفاف قطرے میں
اپنے خد و خال کا عکس دیکھو
اپنے خد و خال کا عکس ڈھونڈو

"حاشیے کی ایک غزل وہ فراق اور وہ وصال کہاں میں مرزا نے ضعیفی و پیری کے مضامین نظم کئے ہیں اس لئے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حاشیے پر اضافہ و اندراج کا سلسلہ مرزا کے زمانۂ شیب تک جاری رہا۔"

مقدمہ نسخۂ عرشی زادہ میں میں نے اس غزل کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ نسخۂ شیرانی کے متن میں شامل ہے جو ۱۲۴۸ھ کا مرتبہ ہے غالب اپنے بیان کے مطابق ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے اس طرح ۱۲۴۸ھ میں وہ تیس برس کے ہوتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ تیس برس کے جوان کو بوڑھا کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ صرف ضعیفی و پیری کے مضامین کی بنیاد پر کسی کلام کو بالخصوص غزل کو عالم ضعیفی و پیری کا قرار دینا اور غزل کے روایتی انداز سے ناواقفیت کے علاوہ کسی طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

حاشیے کے خط کا بخط غالب نہ ہونا جائزہ نگار اگر ایک بار اور بغور دیوان ملاحظہ فرمائیں از خود معلوم کر لیں گے۔

چونکہ جائزہ نگار کے پیش نظر نسخۂ عرشی زادہ کا خطی نامہ نہیں اس لئے ٹ کے املا سے متعلق انھوں نے درست اعتراض کیا ہے ورنہ اصل غالب کے املا کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے یعنی انھوں نے ٹ لکھتے ہوئے ہمیشہ ؞ چار نقطے استعمال کئے اور ڈ ڑ پر بھی ط بنائی۔ غالب کی کوئی تحریر اس امتیاز سے خالی نہیں چنانچہ زیر بحث دیوان میں بھی یہ امتیاز برتا گیا ہے اور شاید غالب کے علاوہ غالب کے عہد میں کسی دوسرے نے نہیں برتا اس کے برخلاف حاشیے کے کاتب نے ٹ پر ط بنائی ہے۔ یہ خصوصیت دیوان کے بخط غالب ہونے کی دلیلوں میں ایک اہم دلیل ہے۔

جائزہ نگار کا یہ فرمانا غلط ہے کہ میں نے حاشیہ نگار کی کم سوادی کی کوئی مثال نہیں دی۔ میں نے اس کے املا کی ایک فاحش غلطی کا ذکر کیا تھا یعنی یہ کہ اس نے تتبع کو تتیع لکھا ہے۔

میں نے مقدمہ میں جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا لکھا ہے کہ زیر بحث دیوان کے خط اور غالب کی دیگر تحریروں میں خفیف سا اختلاف

ہے اس پر جائزہ نگار نے فرمایا ہے کہ خط میں پختگی آنے کے بعد کوئی تبدیلی نہیں ہوتی موصوف کا یہ خیال غلط ہے میں اپنی ایک مثال عرض کردوں لفظ "کہ" عام انداز کے مطابق لکھتا رہا ہوں مگر اب دو ایک سال سے سہولت کتابت کے زیر اثر اس لفظ کی وہ شکل قلم سے نکلتی ہے جو خط شکست کے مطابق ہے یعنی یہ "کہ" اسی طرح لفظ "کے" بھی خط شکست کے مطابق "کے" شکل اختیار کر لیتا ہے نستعلیق کے مطابق لکھنے کی صورت میں کاف کا مرکز لگانے کے لئے قلم کو ایک بار اٹھانا پڑتا ہے جس سے روانی میں فرق آجاتا ہے۔ غالب کی تحریر کا مطالعہ بھی اسی قسم کے تجربات کی روشنی میں مفید ہوگا اور شکوک و شبہات دور ہوں گے۔

میں نے اصلاحوں کا زمانہ اندازاً چار برس بتایا تھا جس میں زور ۱۲۲۵ھ سے قریب تر زمانہ پر تھا۔ ۱۲۲۵ کی کوئی ایک تاریخ مقرر نہیں کی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ ۱۲۲۵ھ سے آگے نہ بڑھا جائے اور یہ کہ اوّل صفر ۱۲۲۵ سے قبل ہی تمام اصلاحوں کا زمانہ سمجھا جائے، اس لئے کہ میری رائے میں اس تاریخ کو کام ختم ہو رہا تھا۔ دیوان کی تمام اصلاحیں ایک دن ایک وقت کا کام نہیں ہو سکتیں اس لئے قلم اور روشنائی کا بدل جانا قدرتی بات ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ اصلاحوں کا سلسلہ دیوان کے اتمام کتابت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا انداز خط کی مذکورہ تبدیلی کی صورت میں کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

آخر میں یہ گزارش ضروری ہے کہ متن دیوان میں املا کی غلطیاں تلاش کرنے سے پہلے وہ قدیم انداز کتابت اور غالب کے خط کی خصوصیات کو اچھی طرح ذہن نشین فرما لیں۔ جائزہ نگار نے متن دیوان سے متعلق جو املائی غلطیاں گنائی ہیں وہ اسی کا نتیجہ ہیں کہ انھوں نے خط شکست اور غالب کے خط دونوں کے املا پر غور نہیں کیا اور ان اعتراضات کا پڑھنے والا انھیں خط شکست کی خصوصیات سے بھی ناآشنا قرار دے گا۔ عفی اللہ عنہ کو عفو اللہ عنہ پڑھنا اور بیاض دیدۂ آہو کف سیلاب ہو جاوے میں فی کو غنی اور حسن خود آرا کو ہے مشق تغافل ہنوز میں صاف صاف حن کو حسن قرار دے کر یہ سمجھ لینا کہ کاتب اضافت کا اظہار کم سوادی کی وجہ سے باضافۂ یا کر رہا ہے خط شکست کی روش سے ناآشنائی کے باعث ہے۔

تیسری مثال "ہے مت امتحان ہوس طینت اسد" میں جائزہ نگار یائے معروف تلفظ کرتے تو کاتب پر اعتراض نہ فرماتے۔ لیکن چونکہ وہ خود باضافت سمجھ رہے تھے اس لئے کاتب مورد الزام قرار پا گیا اسے طینتی پڑھا جائے تو معاملہ صاف ہے دیوان ناسخ و ذوق کے قدیم ایڈیشنوں میں بھی یائے معروف و مجہول کا فرق نہیں ہے اور دواوین کی بابت کیا عرض کروں مگر میرا ذاتی علم ہے کہ یہ دو دیوان تو جائزہ نگار نے ضرور پڑھے ہیں وہاں انھیں کیا صورت پیش آئی ہوگی سوچنے کی بات یہ ہے۔

میں جائزہ نگار کی اس دیدہ ریزی اور دردسری کے لئے نہایت ممنون ہوں جو جائزہ نگاری میں انھیں پیش آئی اور جس سے مجھے بھی دوبارہ غور کرنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا مجھے یقین ہے موصوف آئندہ بھی اپنے مطالعے کے نتائج سے مجھے اور دیگر اہل علم کو محظوظ فرماتے رہیں گے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

قومی تہذیب اور ہندوستانی مسلمان (دو نظریے)

مترجمین: ظفر امام، عابد رضا بیدار
ناشر: رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز دہلی
صفحات: ۳۰ قیمت: دو روپے

قومی تہذیب اور ہندوستانی مسلمان

(عربی اسلامی مدارس کا نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے)

مرتب: سید اوصاف علی و عابد رضا بیدار
ناشر: رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز دہلی۔
صفحات: ۱۹۲، قیمت: ۲۰ روپے

وقت خدا ہے

مرتب و مترجم: عابد رضا بیدار
ناشر: رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز دہلی۔
قیمت: دس روپے

نئے اور پرانے چراغ

مرتب: عابد رضا بیدار
ناشر: رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز دہلی۔
صفحات: ۲۶۵
قیمت: دس روپے

ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ، کلکتہ

غالبیات بنگلہ زبان میں

(زیر ترتیب کتاب غالب اور بنگال کے ایک باب کا حصہ)

جس طرح بنگلہ زبان و ادب میں ٹیگور ایک وسیع، ہمہ گیر اور جداگانہ موضوع ہے، ایک الگ عہد اور بھرپور دور ہے اور جس وجہ سے ٹیگور اور ان کے ادب پر آج تک سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور آئے دن نئے مضامین اور تصانیف وجود میں آ رہی ہیں، کم و بیش یہی حال اردو میں غالب کا ہے۔ غالبیات اردو کا ایک اہم موضوع ہے جس کے تحت دس ہزاروں تصانیف اور مضامین نظم و نثر آتے ہیں جو غالب کے سلسلے میں قلم بند کئے گئے ہیں۔ غالبیات کا دامن اتنا وسیع ہے کہ اس کا شمار کرنا دوبھر ہے۔ بہرحال اس باب میں غالبیات بنگلہ" (یہاں صرف بنگلہ تصانیف (مضامین) کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا ہوں۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی کا زمانہ ایک ایسا دور گزرا ہے جب سیکڑوں بنگالی ہندو اور مسلمان اردو اور فارسی زبان سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ ان میں ان زبانوں کے کئی عالم، ادیب اور شاعر رہے ہیں۔ لیکن آجکل بنگالیوں میں اردو و فارسی جاننے والوں کی بے حد کمی ہے، علم و ادب سے تعلق ہونا تو دور کی بات ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس وقت راقم الحروف کے علاوہ ڈاکٹر وسونیتی کمار چیٹرجی، شری بسنت کمار چیٹرجی، دیپک کمار ساتی، ست گنگوپدھائے، ہریندر چندر پال اور شری پرنب کمار نیوگی ہی ایسے چند ہندو بنگالی ہیں جو کم و بیش اردو زبان اور ادب سے شغف رکھتے ہیں۔ ان میں شری بسنت کمار چیٹرجی اور دیپک کمار ساتی خود اردو میں لکھتے بھی ہیں جن کی تخلیقات اردو رسائل میں نظر آتی ہیں۔ اردو ادب کے سلسلے میں بنگلہ زبان میں جو لوگ لکھا کرتے ہیں ان میں پروفیسر ہریندر چندر پال اور ست گنگوپدھائے کا نام لینا ضروری ہے۔ پروفیسر پال نے بنگلہ میں "تاریخ اردو ادب" لکھی ہے اور شری گنگوپدھائے نے کلام غالب کا ایک منظوم ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ دونوں حضرات نے غالب پر کئی مضامین بنگلہ میں لکھے ہیں۔ پرنب کمار نیوگی نے بھی غالب کے چند اشعار کا بنگلہ نیز انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر وسونیتی کمار چیٹرجی نے کئی تقاریر میں اردو ادب پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور غالب صد سالہ برسی کے دوران آپ نے انجمن ترقی اردو ہند شاخ مغربی بنگال کے سیمینار کی صدارت کرتے ہوئے مرزا غالب کے کلام میں صوفیانہ خیالات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

حالانکہ بنگالیوں میں آج اردو دانوں کی کمی ہے لیکن اس کے باوجود غالب صد سالہ برسی کے موقع پر بنگال کے تقریباً تمام بنگلہ اخبارات اور رسائل نے غالب کے سلسلے میں مضامین شائع کئے ہیں جبکہ اردو کے کسی اخبار یا رسالے نے غالب نمبر شائع نہیں کیا ہے۔ بنگلہ اخبارات و رسائل کے یہ مضامین اکثر انگریزی مضامین کے تراجم ہیں لیکن کئی ایسے بھی ہیں جو مذکورہ (معہ راقم الحروف کے) اردو جاننے والے بنگالیوں میں سے کسی نہ کسی نے لکھا ہے۔ ذیل میں غالب صدی سے قبل اور غالب صدی کے بعد جو چند بنگلہ تصانیف اور رسائل نکلے ہیں کا ذکر کرتا ہوں۔

(۱) ماہنامہ "بسرتی" کلکتہ۔ بنگلہ ماہ اگرہان سنہ ۱۳۳۵ مطابق ۱۹۲۹ء۔ اس شمارے میں "اردو اور وشنو شاعری" کے عنوان سے ایک مضمون ہے جس کے مصنف شری دھریندر مکرجی ہیں۔ اب تک جتنے بنگلہ مضامین میری نظر سے گزرے ہیں ان میں یہی پہلا مضمون ہے جس میں غالب کی شاعری پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مضمون میں مضمون نگار نے غالب کی دو غزلوں کا منظوم بنگلہ ترجمہ بھی نہایت خوبی سے پیش کیا ہے۔ ان غزلوں کے مصرع اول حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

(۲) پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

(۲) غدر ۱۸۵۷ء۔ یہ تصنیف شری اشوک مہتا کی انگریزی کتاب THE GREAT REBELLION کا بنگلہ ترجمہ ہے جو ۱۹۴۶ء میں بار اول کلکتہ میں چھپی ہے۔ مترجم کا نام درج نہیں ہے۔ اس تصنیف کے صفحہ ۴۳، ۹۴ اور ۱۸۱، ۸۲ میں غالب کا تذکرہ ہے اور غالب کے چند اشعار کا بنگلہ ترجمہ بھی۔

(۳) "غزل گیتی" اس بنگلہ تصنیف میں چند اردو غزلوں کو بنگلہ رسم خط میں پیش کیا گیا ہے اور انھیں گانے کے لئے سُر بھی دئے گئے ہیں۔ اس کے مرتب نام کمار چیٹرجی ہیں اور اس کا سنہ اشاعت ۱۳۶۸ بنگلہ مطابق ۱۹۶۱ء ہے۔ اس کتاب میں غالب کی تین غزلیں شامل ہیں۔ مرتب نے مشکل اردو الفاظ کے معنی بھی دئے ہیں تاکہ گانے والے غزلوں کو سمجھ بھی لیں۔

(۴) "مرجا گالب میر کوبتا": یعنی مرزا غالب کی شاعری (یاد رہے کہ بنگلہ میں "مرزا" کا تلفظ "مرجا" ہو جائے گا اور "غالب" "گ" گالب لکھا جائے گا) یوں تو کلام غالب سے کچھ ترجمے مختلف رسائل میں اس سے قبل اور

اس کے بعد بھی شائع ہوئے ہیں لیکن بنگلہ میں اب تک کلام غالب پر یہی مستقل اور واحد تصنیف ہے جس کے مترجم ست گنگو پدھائے ہیں۔ موصوف کی یہ تصنیف ۱۹۶۲ء میں منظر عام پر آئی۔ اس میں تقریباً اسی (۸۰) اشعار کا منظوم ترجمہ ہے۔

(۵) ''جہاں سیر جاتک'' یہ دیوِر تازہ ہے شری پربانکور آزفق کا۔ اس میں جہاں مصنف نے شہر دہلی کا ذکر کیا ہے وہاں غالب کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے لکھا:

''ان کا نام ہندوستان میں کون ہے جو نہیں جانتا۔ وہ اردو کے مشہور شاعر تھے اور فارسی میں بھی انھوں نے خوب زورِ قلم صرف کیا ہے۔''

(۶) شری دردیشی نے مضمون ''غالب'' (بنگلہ اخبار آنند بازار پتریکا، کلکتہ) میں کلام غالب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''غالب کی بیشتر تخلیقات فارسی میں ہیں اور صرف چند اردو میں۔ لیکن ان چند اردو تخلیقات کے ذریعہ غالب نے اردو کی جو خدمت کی ہے اس کا مقابلہ صرف دو عظیم ہستیوں سے ہی کیا جاسکتا ہے یعنی میں شاعر گیٹے۔ جس طرح گیٹے نے جرمن زبان کو زندگی بخشی بالکل وہی غالب نے اردو کے لئے کی ہے۔ دوسری مثال رابندر ناتھ ٹیگور کی ہے۔ ٹیگور نے بنگلہ زبان کو نئی زندگی عطا کی ہے بالکل اسی طرح غالب نے اردو کو جدید زندگی دی ہے۔ اس ملک میں پہلا ترقی پسند شاعر ہونے کا فخر غالبؔ غالب ہی کو حاصل ہے۔''

شری دردیشی اور شری پربانکور کے یہ مضامین غالب صد سالہ برسی سے دو چار سال قبل کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان دونوں صاحب قلم نے اپنے مضامین میں اس بات کا سخت افسوس کیا ہے کہ دہلی میں غالب کا مکان آج ایک کھنڈر ہے۔ شری پربانکور لکھتے ہیں:

''وہ نہایت غریب تھے۔ ان کے متعلق کہانیاں سنتے سنتے ان کی جو تصویر آنکھوں میں ابھر آتی ہے، اُس تصویر سے محبت کئے بغیر رہا نہیں جاسکتا۔ ایسے ایک آدمی نے پوری زندگی دہلی میں گزاری پھر بھی آج دہلی میں دلی والوں نے اس کے مکان کا کوئی نام و نشان نہیں رکھا، یہ بہت دکھ کی بات ہے۔''

اور شری دردیشی نے لکھا ہے:

''محلہ بلیماران کی مسجد کے قریب غالب ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ وہ مکان آج صرف ایک کھنڈر ہے جس کی حالت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔''

(۷) ''مرزا غالب کی عشقیہ شاعری'' یہ مضمون شریمتی بابا گپت کا نتیجۂ فکر ہے۔ محترمہ غالب کی عشقیہ شاعری پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالنے کے بعد کہتی ہیں:

''غالب نے تاحیات رنج و غم اٹھائے عشق کی راہ میں ٹھوکریں کھائیں ہیں لیکن مزاج عشق تو یہی ہے کہ وہ عشق سے بیزار نہیں ہوئے اور راہ عشق میں ثابت قدم رہے۔''

حرمت الاکرام

غزل

یہ ہوا خوب چلی آگ لگانے والی
گھر تو گھر، دل کی اٹاری کو جلانے والی

بجھنے پائے نہ دیا، لَو کو سنبھالے رکھو
اور اک رات ہے بیمار پہ آنے والی

خوش جمالوں سے ہے آمادۂ رخصت جیسے
وہ جو تھی ایک ادا دل کو لبھانے والی

کستی رہتی ہے کہ چہروں کا کوئی قحط نہیں
زندگی میرے خط و خال چرانے والی

دن ہوئے جاتے ہیں راتوں سے زیادہ سفاک
اے نسیم سحری! مجھ کو جگا نے والی

دورِ نو خواب کے حاصل سے نہیں بیگانہ
یہ کہانی نہ کہو نیند اڑانے والی

سوتے لمحات میں بھی جاگ رہی ہے آنکھو
عافیت گوشوں کو ویرانہ بنانے والی

خلوتِ فکر کے پردوں کے ادھر دیکھے کون
لاکھ ڈھونڈے اسے دنیا نہیں پانے والی

جانے کیوں روتی ہے دامن سے لپٹ کر حرمت
ایک آواز بڑی دور سے آنے والی

اب تک میں نے چند ایسے تصانیف اور رسائل کا ذکر کیا ہے جو غالب صد سالہ برسی سے قبل بنگلہ زبان میں شائع ہوئے ہیں اب ذیل میں غالب صدی کے موقع پر شائع شدہ رسائل کا ذکر کرتا ہوں یہ تمام بنگلہ رسائل کی جلدیں میرے گھر یلو ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہیں :-

(۱) روزنامہ "جگانتر" کلکتہ کا خاص شمارہ۔ بنگلہ زبان کے اس مشہور اخبار نے ۱۶ رفروری ۱۹۶۹ء کو "غالب اور کلکتہ" پر ایک طویل مضمون شائع کیا جس کے مصنف ہیں شری اردن شوم۔

(۲) ہفتہ دار "پچھم بنگلہ" کلکتہ۔ یہ حکومت مغربی بنگال کا ترجمان ہے جو محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ شائع ہوتا ہے۔ اس کے ۲۳ رمئی ۱۹۶۹ء کے شمارے میں راقم الحروف کا ایک طویل مضمون "مرزا غالب - ہندوستان کا پہلا ترقی پسند شاعر" شائع ہوا ہے۔ اس شمارے کے آخری سرورق پر غالب کی ایک تصویر بھی ہے۔

(۳) ہفتہ دار "دیش" کلکتہ۔ یہ بنگلہ زبان کا سب سے مشہور و مقبول ہفتہ روزہ ہے۔ اس کے ۸ رفروری ۱۹۶۹ء کے شمارے میں راقم کا ایک طویل باتصویر مضمون "مرزا غالب اور بنگال" شائع ہوا۔

(۴) ہفتہ دار "دعوانی" کلکتہ۔ ۹ راگست ۱۹۶۹ء کے شمارے میں "غالب ایک لاجواب فنکار" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار کا نام درج نہیں ہے۔

(۵) ماہنامہ "کوبتا کلکتہ" کا غالب نمبر۔ ماہ مارچ و اپریل ۱۹۶۹ء اس شمارے میں راقم الحروف کا ایک مضمون "مرزا غالب کی صد سالہ برسی" کے عنوان سے شامل ہے۔

(۶) ماہنامہ "وشوا دارتا" کلکتہ۔ اس کے پوجا نمبر ۱۹۶۹ء میں غالب کے چند اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ مترجم سمت گنگو پدھائے ہیں۔

(۷) ماہنامہ "مویاین" کلکتہ۔ اس کے جلد نمبر ۵، شمارہ ۱۰، ۱۹۷۰ء میں "غالب کی غزلیں" کے عنوان سے شری شودھیر گپت کا ایک طویل مضمون (صفحہ ۱۵ تا ۳۰) شامل ہے۔ کئی اشعار کا منظوم ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔

(۸) سہ ماہی "رابندر بھارتی پتریکا" کلکتہ۔ یہ خالص ادبی جریدہ رابندر بھارتی یونی ورسٹی کلکتہ کا ترجمان ہے۔ اس کے جولائی ستمبر ۱۹۶۹ء کے شمارے میں مرزا غالب پر ایک طویل مضمون شامل ہے۔ مضمون نگار پروفیسر ہریندر چندر پال ہیں۔ مرزا غالب کی زندگی اور کلام پر موصوف کا مضمون رسالے کے ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۹) سہ ماہی "سارس وت" کلکتہ۔ اس ادبی رسالے نے ماہ فروری، اپریل ۱۹۶۹ء کو ایک شمارہ غالب نمبر کے طور پر شائع کیا ہے۔ اس کے سرورق پر غالب کا ایک قلمی اسکیچ ہے جو مشہور آرٹسٹ شری دیپ برت گھوش نے بنائی ہے۔ اس خاص شمارے میں "مرزا غالب - حیات اور شاعری" کے عنوان سے ایک طویل مضمون ہے جسے شری امولیہ دیب نے لکھا ہے۔

▲

اخبار و افکار

گورکھپور یونی ورسٹی میں اردو ادب کے رسم خط کے بارے میں مذاکرہ

گورکھپور ۱۰ اگست اردو ادب کے دیوناگری رسم الخط میں تبدیل کرنے کے مسئلے پر ایک ادبی مذاکرہ شہر ادب، شاخ گورکھپور کے زیر اہتمام ڈاکٹر سلام سندیلوی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں شہر کے معززین اور دانشوروں نے شرکت کی۔

مذاکرے کا افتتاح ڈاکٹر سلام سندیلوی کی تقریر سے ہوا جنھوں نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اردو زبان و ادب کا حسن اس کے رسم خط میں مضمر ہے اور یہ رسم خط صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں جانا پہچانا جاتا ہے۔

آخر میں شعری نشست ہوئی۔ • نامہ نگار

انجمن ترقی اردو بانسی کی قرارداد

انجمن ترقی اردو بانسی، اودگار جینس کی یہ ہنگامی اور غیر معمولی نشست رتن سین انٹر کالج بانسی میں عربی اور اردو کے ساتھ موجودہ برتاؤ پر اپنی دلی بے اطمینانی اور فکر احساس کا اظہار کرتی ہے اور اسے انتہائی ناپسندیدہ اور قابل مذمت قرار دیتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ مستند اردو و عربی ٹیچروں کا تقرر کر کے پہلے کی طرح عربی اور اردو کا انتظام کرے اور حسب ذیل تقرریاں کرے۔

(۱) اردو لکچرر ایک

(۲) اردو ٹیچر دو (مین کالج کے لئے ایک، برانچ کالج کے لئے ایک)

(۳) عربی ٹیچر دو (مین کالج کے لئے ایک، برانچ کالج کے لئے ایک)

• سید اطاعت حسین رضوی

بزم سیماب

نئی دہلی: شام چھ بجے بزم سیماب جے ۱۲ راجوری گارڈن نئی دہلی کا ایک خصوصی جلسہ جناب ضیا فتح آبادی صدر بزم کی صدارت میں ہوا۔ جلسے میں جن احباب نے شرکت کی ان میں جناب اندر سروپ دت نادان، جنت جگدیش ورد، دراد ھاکرشن سہگل، کیلاش چندر ناز، بسمل پھلوری اور پی ڈی چاند خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

شروع میں ضیا صاحب نے جناب رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کی شخصیت اور ان کے فن شعر پر ایک مختصر تقریر کی اور تمام اردو برادری کی طرف سے اطمینان و مسرت کا اظہار کیا کہ بھارتیہ گیان پیٹھ نے ۱۹۶۹ء کا انعام فراق صاحب کی کتاب "گل نغمہ" پر دے کر وسیع النظری اور فراخدلی کا ثبوت دیا۔ موجود شعرا سے ان کا چیدہ چیدہ کلام سننے کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

• ضیا فتح آبادی

جنگاؤں میں اردو داں طلبہ کی پریشانی

جنگاؤں: جناب محمد محبوب خاں معتمد انجمن ترقی اردو شاخ جنگاؤں نے کہا کہ مستقر جنگاؤں کے علاوہ اطراف و اکناف کے قصبات میں جہاں اردو داں طلبہ کی کثیر تعداد موجود ہے اردو جماعتوں کے قیام اور اس مقصد کے لئے اردو داں اساتذہ کی فراہمی پر محکمہ تعلیمات اور پنچایت سمیتی جنگاؤں کو بار بار توجہ دلانے کے باوجود آج تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ جبکہ متعدد مقامات پر حکومت اور وزارت تعلیم کی جانب سے اردو جماعتوں کے قیام کے تعلق سے فراخدلانہ رویہ اختیار کیا گیا لیکن جنگاؤں کو نظر انداز کر دینے سے یہاں کے اردو داں طلبہ کا مستقبل تاریک نظر آ رہا ہے محکمہ تعلیمات اور پنچایت سمیتی جنگاؤں سے طویل مراسلت کرتے ہوئے اردو داں کی ضرورت سے باخبر کیا گیا اور اردو جماعتوں کا فوری بندوبست کرنے کی پرزور اپیل کی گئی لیکن آج تک کسی قسم کی پیش رفت نہ ہو سکی۔ انجمن اس موقع پر اپنی تشویش کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ مستقر جنگاؤں اور قصبات میں اردو جماعتوں کے قیام کے لئے بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

• رہنمائے دکن

حیدرآباد کی اردو نشریات کے اوقات میں توسیع

حیدرآباد: جناب ایس آر وینکٹ رامن اسٹیشن ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد نے بھارت نیوز سے ایک خصوصی ملاقات میں ریڈیو سننے والوں کو یہ خوشخبری دی کہ ۲ اکتوبر سے حیدرآباد سے نشر ہونے والے نیرنگ اردو پروگرام کا وقت نصف گھنٹہ کی بجائے ایک گھنٹہ کر دیا جائے گا۔

جناب وینکٹ رامن نے کہا کہ یہ تجویز بہت دنوں سے زیر غور تھی اب فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ یہ پروگرام ۹ ½ بجے یا ½ ۱۰ بجے شب نشر کیا جائے۔ اسٹیشن ڈائرکٹر نے اردو پروگرام کی مقبولیت پر اطمینان کا اظہار کیا اور کہا کہ اس بات کی پوری کوشش کی جائے گی کہ اس میں زیادہ سے زیادہ نئی دلچسپیاں بھی پیدا کی جائیں انھوں نے کہا کہ اردو بولنے اور سمجھنے والا ہر طبقہ اردو کے پروگراموں سے محظوظ ہوتا ہے چنانچہ اس مناسبت سے بچوں، عورتوں، جوانوں، بوڑھوں اور محنت کش سے

دانشور طبقہ تک ہر ذہنی سطح کے لوگوں کے لئے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔

رہنمائے دکن

اردو سبھا ہال کی رسم اجراء

حیدرآباد کے ممتاز شاعر جناب علی افسر صدر ادارہ "قومی ادب" آندھرا پردیش نے اردو سبھا ہال کے سنگ بنیاد رکھنے کی رسم انجام دیتے ہوئے کہا کہ اردو لشکری زبان ہے۔ جس طرح لشکر میں مختلف فرقوں کے افراد شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس لشکری زبان میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ اس لئے اردو زبان کو کسی ایک فرقے کی زبان قرار دینا اس کھلی حقیقت سے انکار کرنا ہے۔

انھوں نے کہا کہ بلا تفریق مذہب وملت ملک کی اکثریت اردو کو لکھتی پڑھتی، بولتی اور سمجھتی ہے۔ ملک کا باشعور طبقہ اردو کی ترقی چاہتا ہے۔ چند گنے چنے افراد کی مخالفت اردو کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

ابتدا میں جناب راجہ لعل راجہ صدر اردو سبھا نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں کہا کہ پرانے شہر میں ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے ایک ہال کی شدید ضرورت ایک مدت سے محسوس کی جارہی تھی جس کی آج داغ بیل پڑ رہی ہے۔

انھوں نے کہا کہ اردو ہر وقت ملک کی ترقی، تحفظ اور خوشحالی کے لئے معاون ثابت ہوئی ہے۔ اس لئے ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ اردو کے لئے ترقی کی ٹھوس مقصدی راہیں ہموار کریں۔

• نامہ نگار

علاقائی زبانوں میں یونی ورسٹی کی سطح کی درسی کتابوں کی تیاری کے لئے امداد

کلکتہ : تعلیم اور نوجوانوں کی خدمات کے مرکزی وزیر پروفیسر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ نے مشرقی خطے کی ریاستوں کے وزرائے تعلیم اور وائس چانسلروں کی علاقائی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر وزیر موصوف نے ایک تقریر میں کہا کہ نوجوانوں کی آواز سنی جانی چاہیے اور قومی نیز سماجی تعمیر کے پروگراموں میں اس کا مقام پہنچانا ضروری ہے۔

نوجوانوں کی بہبود اور اعلیٰ تعلیم کے موضوع پر منعقد کی جانے والی علاقائی کانفرنسوں میں سے یہ پہلی کانفرنس تھی جو نوجوانوں کے امور اور تعلیم کی مرکزی وزارت کی طرف سے بلائی گئی تھی تاکہ اس میں علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے ان کے فروغ کے موضوع پر تبادلۂ خیال کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ اس میں طلبہ اور دیگر نوجوانوں کی بہبود سے متعلق ایسے بہت سے پروگراموں پر تبادلۂ خیال کیا گیا جنھیں مرکزی وزارت تعلیم چلانا چاہتی ہے۔

وزیر موصوف نے کہا کہ اس خطے میں علاقائی زبانوں میں یونیورسٹی سطح کی درسی کتب کی تیاری کا کام تسلی بخش نہیں ہوا۔ انھوں نے کہا کہ ہر ریاست کو علاقائی زبانوں میں یونی ورسٹی کے معیار کی درسی کتب کی تیاری کے لئے ایک کروڑ روپے کی امداد کی گنجائش رکھی گئی ہے تاکہ وہ ریاست اپنے علاقہ کی زبان میں یہ کتابیں تیار کرا سکے۔ اس رقم کا تقریباً ۲۰ فیصد حصہ مرکز نے اپنے پاس رکھا ہے تاکہ حوالہ جاتی نوعیت کی کتاب تیار کرا سکے اور پھر ہر علاقائی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کرایا جاسکے۔ بقیہ رقوم ریاستی سرکار کی تحویل میں دے دی گئی ہے۔

• سیاست

ادیب ملک کا ضمیر ہوتا ہے

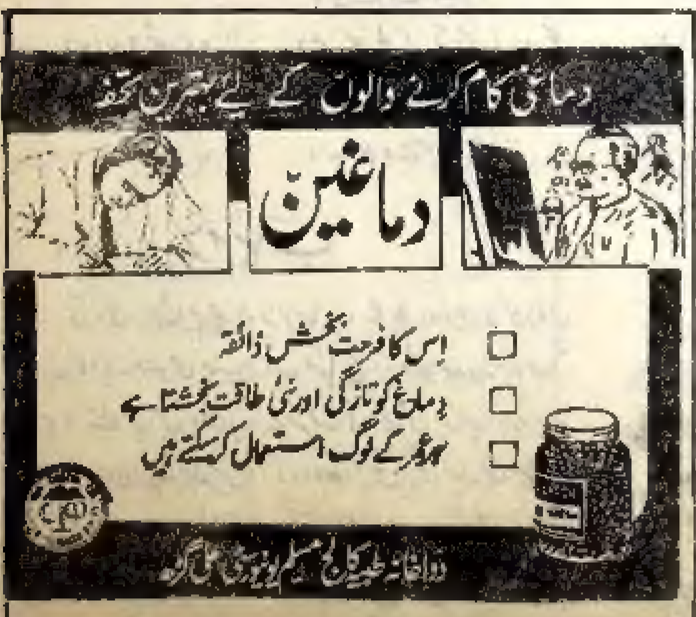
صدر جمہوریہ وی۔ وی۔ گری

نئی دہلی۔ ۱۹ راگست، صدر جمہوریہ ہندوستان جناب وی۔ وی۔ گری نے ہندوستانی ادیبوں سے تلسی داس کی تقلید کرنے اور ادب کو عام زندگی کے ادبی اٹھانے میں استعمال کرنے کی تلقین کی۔ جناب گری نے جو آل انڈیا تلسی سمارک سمیتی کے زیر اہتمام منعقد کی ہوئی تلسی جینتی تقریبات کے آخری اجلاس سے خطاب کر رہے تھے کہا کہ ادیب ملک کا ضمیر ہے اس لئے ان پر لازم ہے کہ ادبی شہ پاروں کی تخلیق کرنے والے حضرات قومی اتحاد کے اعلیٰ اصول کو فروغ دیں اور شائستہ ماحول پیدا کریں۔ جمہوری قوتوں کو طاقتور بنائیں اور ایسی فضا کی تخلیق کریں جو ملکی ترقی کی طرف رہنمائی کرے۔

• سیاست

بھاگلپور یونی ورسٹی میں اردو ایم۔ اے کلاس جاری کیا جائے

مجلس منتظمہ جمعیۃ علمار ضلع بھاگلپور میں حسب ذیل تجویز شبیر احمد جابری



نے پیش کی جس کی تائید جناب طالب انصاری میونسپل کمشنر مقامی ایس۔ ایس۔ پی رہنمانے کی جس کو باتفاق منظور کیا گیا۔

تجویز یہ ہے کہ ریاست بہار کی پٹنہ، بہار اور مگدھ یونی ورسٹیوں میں اردو ایم۔ اے کی تمام سہولتیں ہیں۔ اس لیے بھاگلپور یونی ورسٹی میں بھی اردو ایم۔ اے کلاس جاری کیا جائے۔

• سیاست

شاعری اچھائی کی دریافت کا نام ہے

ایکسپریس نیوز سروس کو انٹرویو دیتے ہوئے مشہور اردو شاعر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری نے بھارتیہ گیان پیٹھ کا ۱۹۶۹ء کا ادبی انعام پانے پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس اعزاز کو عطا کرکے میری ان حقیر خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے جو پچیس سال سے میں ہندوستانی ادب کی کر رہا ہوں۔

انھوں نے کہا کہ اب میں اتنا عمر رسیدہ ہو گیا ہوں کہ ایسے موقع پر مجھ میں غرور یا ذاتی اہمیت کے احساس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا شاعری درحقیقت اچھائی کی دریافت کا نام ہے۔ اچھائی کی دریافت سچائی اور حسن سے بھی زیادہ ہر تخلیقی عمل میں ضروری اور اہم ہے۔ ورڈس ورتھ کی طرح شاعری سے میرا مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ انسانیت کی اعلیٰ قدروں اور خدائی صفات کو تلاش کرکے پیش کیا جائے۔

غرور اور تمکنت میرے نزدیک دیوانگت کا دوسرا نام ہے وہ آدمی بڑا خوش قسمت ہے جو ادنیٰ اور حقیر بن کر اپنے آپ کو پیش کرے۔ جتنی عظیم و بزرگ ہستیاں دنیا میں ہوئی ہیں انھوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھا۔ اگر عیسیٰ بھگتو، ہندو سادھو، کبیر، نانک اور پیغمبر اسلام محمد صاحب کسی یونی ورسٹی کی پیداوار ہوتے تو وہ انسانوں کو وہ تعلیم نہیں دے سکتے جو انھوں نے اپنے اپنے زمانہ میں دی ہے

ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اردو شاعری انسان دوستی کی مخلصانہ ایماندارانہ کوشش کا نام ہے۔ مگر وہ اکثر رسم و رواج کا شکار ہو کر اپنے مقصد سے ہٹ گئی۔ میری کوشش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اردو شاعری کی داخلیت کو بحال کرکے اس کو اس کے اصلی روپ میں پیش کروں۔

ایک اور سوال کے جواب میں جدید ہندی شاعری پر اپنے متواتر حملوں کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا جدید ہندی شاعروں میں چند شخصیات کو چھوڑ کر نہ کوئی باہر سے روشنی حاصل کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ کوئی ایسی حرکی طاقت جو اس کا رشتہ قدرت اور انسانیت سے جوڑ سکے۔ میں دراصل ہندی کے خلاف نہیں ہوں بلکہ بد نما ہندی کا مخالف ہوں۔ • انڈین ایکسپریس

انجمن تعمیر اردو کی ادبی نشست

دہلی:۔ انجمن تعمیر اردو دہلی کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان یادگار مشاعرہ بہ تقریب یوم آزادی منعقد ہوا مشاعرہ کی صدارت پروفیسر مولانا سید عبدالخالق نفوس صاحب نے فرمائی جناب گلزار زتشی دہلوی نے قومی یکجہتی، اردو کا تحریک آزادی میں حصہ اور ملک کی جدید سماج وادی تعمیر پر تقریر فرمائی۔

• نامہ نگار

اردو کے ساتھ ناانصافی

معتمد انجمن ترقی اردو شاخ جوگی پیٹھ نے ضلع پریشد ضلع میدک وڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ضلع میدک سے نمائندگی کی ہے کہ ضلع پریشد ہائی اسکول جوگی پیٹھ دوسا پور پر اردو داں ٹیچرس کے تقرر کا انتظام کیا جائے۔ اس خصوص میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر نے ضلع پریشد کو اردو اساتذہ کے انتظام کے سلسلہ میں تحریک کی ہے۔ اردو انجمن حیدرآباد سے بھی متعدد نمائندگیاں کی گئیں لیکن ضلع پریشد کی اردو دشمن پالیسی نے ضلع میدک میں اردو داں طلبہ اور ان کے اولیا میں پریشانی پیدا کردی ہے معتمد انجمن نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے نمائندہ کو میدک روانہ کرکے اردو کے ہمدردوں اور انجمن کے عہدہ داروں کو طلب کرکے بعد تحقیقات مناسب اقدام کرے۔

• رہنمائے دکن

تبصرے

ڈاکٹر شمیم حنفی

آریہ ابھی ونے

• مترجم: منوّر لکھنوی
• ناشر: رائے صاحب چودھری پرتاپ سنگھ
ٹرسٹ، کرنال
• قیمت: تین روپے

پچھلے دنوں منوّر صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کی مدت عمر بہت مختصر نہیں لیکن اسی عرصے میں انھوں نے جو علمی و ادبی خدمات انجام دیں ان سے بیک وقت ان کی ذہنی مجتہدگی، لگن اور قدرت کلام کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ اردو شعر و نثر کے طبع زاد کارناموں سے قطع نظر منوّر صاحب کے ترجموں ہی کی فہرست پر ایک نظر ڈالی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ عمر کے ایک ایک لمحے کا انھوں نے کس طرح حساب رکھا۔ خیام، حافظ، کالیداس، گیتے، والمیکی، تلسی داس، شنکراچاریہ، ٹیگور اور مشرق و مغرب کے کئی دوسرے مشاہیر فکر و فن کی تخلیقات کو اردو قالب عطا کرنا ان کی ایسی خدمت ہے جسے ہمیشہ احترام اور محبت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ آریہ ابھی ونے آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کی ہندی تالیف کا منظوم ترجمہ ہے۔ منوّر صاحب کے عام ترجموں کی طرح اس کتاب کی زبان بھی رواں دواں اور مجموعی طور پر اصل کی فضا کو قائم رکھنے میں کامیاب ہے۔ کتابت و طباعت معمولی ہے۔

نوائے مضطر

• رام رتن مضطر
• ناشر: انجمن ترقی اردو، امرتسر
• قیمت: پانچ روپے

رام رتن مضطر صاحب پنجاب کے ایک بزرگ اور پختہ مشق شاعر ہیں۔ اس مجموعے میں غزلیں، تضمینیں اور متفرق اشعار شامل ہیں۔ مضطر صاحب پرانی وضع کے اشعار عام طور پر صاف ستھری زبان میں کہنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ بقول خود وہ شروع میں حسرت کے رنگِ کلام سے متاثر تھے اب عرصے سے ان پر پنڈت میلارام وفا کا رنگ غالب ہے۔ نمونۃً ابتدائی اور آخری صفحات سے دو دو شعر نقل ہیں۔

بجرم عزیزوں کی الفت کا رہ گیا مضطر
ہزار شکر کہ ہم ان کو آزما نہ سکے

فیضِ جنوں سے ہو گئی وہ راہِ شوق طے
جس راہِ شوق میں نہ خود راہبر ہوئی

اور ـــــ

خواہش وصل تم سے کیا کہیے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ

تمہاری آج اس نیچی نظر نے
کیے ہوں گے کئی ویران سینے

کتابت اور طباعت غنیمت ہے۔

مثنوی جلوۂ صد رنگ

• عبدالمجید شمس عظیم آبادی
• ناشر: سائنٹفک پبلیشرز، پٹنہ
• قیمت: چار روپے

سحرالبیان کی بحر میں یہ مثنوی موسموں کی بدلتی ہوئی کیفیتوں اور چیزوں کی خصوصیات کا احاطہ کرتی ہے۔ صبح، دوپہر، شام، رات، جنگل، پہاڑ، ندی، چشمے، باغ، گاؤں اور شہر سبھی کو شاعر نے پیرایہٴ بیان کا نغمگی عطا کیا ہے۔ علاقائی اور مقامی بول چال کے الفاظ اور محاوروں کو جگہ جگہ استعمال کیا گیا ہے لیکن ضروری وضاحتیں بھی فٹ نوٹ میں دے دی گئی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مثنوی دلچسپ ہے اور سلیقے سے نظم کی گئی ہے۔ کہیں کہیں شاعری کے اچھے نمونے بھی مل جاتے ہیں۔

عام انداز یہ ہے:

گلابی ہے جاڑا، سہانی فضا
کھلا آسماں اور ٹھنڈی ہوا

ہر ایک گھر ہے آسودہ اُٹھ بیٹھے
کمی اور مزدور سے شکے بھرے
ہے کھیتوں میں اب دھان پک کر کھڑا
کہیں بوجھ سے اس کا خوشہ جھکا

وغیرہ وغیرہ

کتاب ڈیمائی سائز پر صاف ستھری چھپی ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر و پبلیشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرز علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. NO. L-922 فون نمبر ۲۹ R. N. 2186/57